دُکھ پتیاں

منثور کلام

نعمان نیئرؔ کلاچوی

دُکھ پتیاں

منثور کلام

نعمان نیئرؔ کلاچوی

نام کتاب	دُکھ پتیاں
شاعر	نعمان نیئر کلاچوی
ناشر	مرشد پبلی کیشنز، کلاچی، ڈیرہ اسماعیل خان
پی ڈی ایف ایڈیشن	اگست، 2024

انتساب

بھگوان بدھ کے نام

فہرست

مقدمہ

نثری نظم یہ ترکیب لغوی اور منطقی اعتبار سے بالکل غلط ہے۔لغوی اعتبار سے اِس لئے غلط ہے کہ یہ ایک متضاد المعانی ترکیب ہے یعنی نثر مطلب تحریر اور نظم مطلب ایسی تحریر جو مروجہ اوزان پر مبنی ہو۔علاوہ ازیں منطقی اعتبار سے اس لئے غلط کہ ایک ہی وقت میں ہم کسی تحریر کو نثر اور نظم نہیں کہہ سکتے کہ کسی بھی تحریر کی صنف کا تعین کرتے ہوئے ہمیں ایک وقت میں اُسے صرف ایک ہی صفت سے متصف کرنا ہوگا۔مثلاً ہم نے ایک تحریر پر اگر نثر کا حکم لگا دیا تو اب اُسے نظم نہیں کہہ سکتے بالکل ایسے ہی اگر کسی تحریر پر نظم کا حکم لگ چکا تو اب وہ نثر نہیں کہلائی جا سکتی۔ فلہٰذا نثری نظم جیسی کوئی تحریر نہیں ہوتی۔کوئی بھی تحریر چاہے کسی بھی زبان میں کیوں نہ ہو وہ بہر صورت نثر ہوگی یا پھر نظم۔پس شاعری میں ردھم کا ہونا ضروری نہیں کیونکہ ردھم یا عروض شعر کی جوہری صفت نہیں ہے لیکن نظم میں ردھم ضروری ہے کیونکہ نظم کی بنیادی صفت ہی ردھم ہے۔چنانچہ جب آپ نظم لکھیں گے تو آپ کو بہر صورت ردھم کی اطاعت کرنا ہوگی لیکن اگر آپ منثرہ لکھیں تو اِس میں دیگر شعری صفات تو ہوں گی جس پر ہم آگے بات کرتے ہیں لیکن ردھم نہیں ہوگا پس ردھم کا نہ ہونا ہی دراصل منثرہ کی عام پہچان ہے۔

انگریزی میں اس کیلئے Prose یعنی نثر اور Verse یعنی نظم کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔انگریزی میں Verse سے مراد اُردو اَدب کی صنف نظم نہیں بلکہ ایسی تحریر جس میں ردھم موجود ہو۔

جس طرح نثر کی مختلف اصناف ہیں بالکل ایسے ہی شاعری کو بھی ہم مختلف اصناف میں تقسیم کر سکتے ہیں جیسا کہ اگر شعر میں مروجہ بحر یا ردھم استعمال کیا گیا ہے تو وہ ”نظم“ کہلائے گا اِس کے

برعکس اگر مروجہ ردھم استعمال نہیں کیا گیا تو وہ " منثرہ" کہلائے گا۔منثرہ انگریزی میں Prose Poetry کہلاتی ہے۔منثرہ کو مَیں شعر کے احاطے سے باہر نہیں نکال سکتا اور نہ ہی اِسے کوئی بھی ادیب باہر نکال سکتا ہے۔جس طرح نظم برحق ہے بعینہٖ منثرہ بھی برحق ہے مگر اِسے اب نثری نظم نہیں کہنا چاہئے کیونکہ یہ ترکیب لغوی اور منطقی اعتبار سے درست نہیں۔

آئیے اب منثرہ کی جوہری صفات پر بات کر لیتے ہیں۔منثرہ پر تفصیلی بحث سے قبل میں یہاں پر معروف کمیونسٹ ادیب سید سجاد ظہیر مرحوم کے وہ الفاظ نقل کر دیتا ہوں جو آپ نے اپنی نثری شاعری کی پہلی کتاب " پگھلا نیلم" میں فیض احمد فیض صاحب کے ایک سوال کی صورت میں لکھ دیئے ہیں۔

" فیض احمد فیض نے میری اِن نظموں میں سے کئی سنی ہیں اور چند کو اُنہوں نے پسند کیا۔ایک نظم کے بارے میں ایک خط میں اُنہوں نے مجھے لکھا' میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اِس کا نسخہِ ترکیب استعمال کیا ہے'۔" (صفحہ 6۔مطبوعہ۔کوہِ نور پریس، دہلی،سن اشاعت۔1964ء)۔

غور کریں کہ منثرہ کو سجاد مرحوم نظم کہہ رہے ہیں اور فیض صاحب نظم سے چونکہ کماحقہٗ واقف ہیں اِس لئے وہ سوال کرتے ہیں کہ اگر یہ نظم ہے تو اِس کا نسخہِ ترکیب کیا ہے۔نسخہِ ترکیب سے یہاں فیض صاحب کی مراد یقیناً جوہری صفات ہی ہیں جو تاوقت واضح ہو کر سامنے نہ آسکیں کہ آخر یہ نثر کے باہم پریشاں ٹکڑے نظم کیونکر کہلائے جاسکتے ہیں۔منثرہ چونکہ نظم کے اُصول پر پورا نہیں اُتر رہی تھی تو نظم شناس اِس پر چیں بہ جبیں تو ہوتے۔سو ہوئے اور تا حال یہ بحث جاری ہے۔

میرے خود کے بھی پیشِ نظر یہی مسئلہِ دیرینہ رہا ہے اور ایک طویل عرصے تک میں بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ منثرہ نظم کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اِس میں نہ تو ردھم ہے نہ قافیہ اور نہ ہی ردیف

اِس پر مستزاد یہ کہ صرف ایک لفظ ہی یہاں پورے مصرع کا متبادل بن جاتا ہے۔ایسی صورت میں منثرہ کو نظم کہنا عقل مانتی ہے نہ ہی نقل۔چنانچہ یہ عقدہ اُس وقت حل ہوا جب میں نے انگریزی شاعری اور نثر پر ایک گہری نظر ڈالی اور یہ خاص اُس زمانے کی بات ہے کہ جب میں پابند انگریزی نظمیں جو اب "Rainbow in the Desert" کے عنوان سے پی ڈی ایف ورژن میں شائع ہو چکی ہیں،لکھ رہا تھا۔

ہم برصغیر والوں کا یہ فطری مسئلہ ہے کہ ہم غور و فکر کی زحمت سے دور ہی رہتے ہیں اور سنی سنائی یا نقل کردہ باتوں پر زیادہ دھیان دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہم اب تک نثری شاعری کو بھی نظم کے کھاتے میں ڈالتے رہے بلکہ ڈال رہے ہیں۔نثری شاعری لاریب شاعری تو ہے مگر نظم نہیں اور یہ اِس قدر باریک فرق ہے کہ غور کرنے پر دیکھتے ہی دیکھتے Iceberg بن جاتا ہے یعنی برف کا وہ تودہ جو دور سے بظاہر تو ایک چھوٹا سا نوکیلا برف گولہ معلوم ہوتا ہے مگر تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو برف کا پورا ایک پہاڑ ہے۔بس یہی کچھ نظم اور نثری شاعری میں فرق ہے۔نظم کی صرف دو ہی جوہری صفات ہیں جس کے بعد کوئی بھی تحریر نظم بن جاتی ہے۔پہلی صفت منظر کشی یعنی Imagery ہے اور دوسری صفت عروض یعنی Meter مثلاً ع

مہنگا روئے ایک بار

سستا روئے بار بار

یہ شعر ہے مگر نظم کی صورت میں۔ایک شعر کی دسیوں فروعی صفات ہو سکتی ہیں مگر جوہری یہی دو صفات ہیں۔اب بالکل اسی طرح نثری شاعری کی بھی جوہری صفات یا بقول فیض احمد فیض نسخہِ ترکیب ہوتی ہے اور یہی ترکیب اِسے نظم سے ایک دم ممیز کر دیتی ہے۔واضح رہے کہ

نظم کہنا آسان ہے مگر منثرہ یعنی نثری شاعری کہنا شدید ریاضت کی متقاضی ہے یہی وجہ ہے کہ نظم عموماً زیادہ کہی جاتی ہے اور نثری شاعری بہت کم۔ ممکن ہے آئندہ دور نثری شاعری کا ہی ہو مگر فی الحال تو نظم اپنی پوری آب و تاب سے اُردو اور فارسی اَدب پر قابض ہے۔

پانچ صفات ایسی ہیں کہ جن کی اطاعت نثری شاعری میں لازمی ہے اور یہی پانچ جوہری صفات ہی ایک منثرہ کو نظم سے ممیز کرتی ہیں۔

1	منظرکشی Imagery
2	علاویت Parataxis
3	فعالیت Hypotaxis
4	نحویت Syntaxis
5	جذباتی اثریت Emotional Effects

منظرکشی Imagery

اَدب میں منظرکشی سے مراد ہے الفاظ کے ذریعے ایک ایسی پینٹنگ تیار کرنا جس میں کسی بھی تصویر کے مکمل خط و خال نکھر کر آنکھوں کے سامنے آجائیں۔ منظرکشی کی تفسیر میری ایک منثرہ ”روٹی“ میں ملاحظہ ہو۔ م

روٹی

ہی تو بلا ہے

جو بندے کھا جاتی ہے

مگر اِسے

کوئی نہیں کھا پاتا

☆☆☆

علاویت Parataxis

اُردو اَدب میں یہ تجربہ خاصا نیا ہے کہ آپ کسی تحریر میں رموزِ اوقات اور حروفِ جار کے بغیر کوئی بات بیان کریں۔ یہی خاص تجربہ جب نثری شاعری میں کیا جائے تو وہ علاویت بن جاتی ہے۔ چونکہ میرے سامنے اُردو اَدب میں ایسی کوئی معروف مثال موجود نہیں کہ جس کی بنیاد پر میں تجربہِ علاویت کو بیان کرسکوں اِس لئے مجبوراً ایک آدھ مثال خود وضع کرنا پڑ رہی ہے تا کہ قارئین مقامِ علاویت تک رسائی حاصل کرسکیں۔ منثرہ کی صورت میں۔ م

تجھے چاہا

برباد ہوا

برباد ہو کر

کہیں کا نہ رہا

غور کریں درج بالا چار سطروں میں کُل گیارہ الفاظ ہیں اور پہلی دو سطروں میں دو دو تیسری سطر میں تین اور چوتھی سطر میں چار الفاظ شامل ہیں۔ دو تین بار پڑھنے سے سمجھ آتی ہے کہ یہ شُدھ نثر نہیں ہے بلکہ کچھ اور شے ہے اور اِسی اور شے کا احساس ہی ایک منثرہ کو نظم سے الگ کر لیتا ہے۔

فعالیت Hypotaxis

فعالیت سے مراد الفاظ کا ایسا چناؤ جس میں نہ وزن ہو اور نہ ہی الفاظ اور تراکیب کے آخری حروف ہم آواز ہوں مگر اِن الفاظ اور تراکیب کی فعالیت یعنی Functionality یکساں ہو۔ ملاحظہ ہو میری ایک منثرہ "نٹ کھٹ سی وہ"۔ م

اُس کا احساس
وہ یادوں کی خوشبو
تصور کے رنگ
اور اُن رنگوں میں
ہولی کھیلتی
کودتی پھدکتی
جیسے قُمری کوئی
بڑے گھر کی
تنگ کرتی
چھیڑتی
مسکراتی
آجاتی ہے
خیالوں میں
نٹ کھٹ سی وہ

☆☆☆

نحویت Syntaxis

الفاظ کی ایسی ثقیل ترکیب جس میں الفاظ اپنی فصاحت کھو کر ایک فکری گرداب میں تیرنے لگیں تو اَدب میں یہ تجربہ نحویت کہلاتا ہے۔ملاحظہ ہو میری منثرہ '' کچھ بھی نہیں''۔ م

کس جاہل نے خبر دی کہ ہم

ایک حادثے کی پیداوار ہیں

نہیں

ہرگز نہیں

ہمارا شعور ہمیں سمجھاتا ہے

کہ ہم

نہیں سمجھ سکتے

کہ ہم

پتہ نہیں کیسے واقع ہوئے

کیوں واقع ہوئے

واقع ہوئے بھی یا ابھی

اِمکان میں ہیں

ہمارا خالق و نگہبان کون ہے

ہے بھی سہی یا نہیں

پتہ نہیں

بظاہر تو صرف دکھ ہے

اور اِس دکھ کا احساس
علاوہ ازیں کچھ نہیں
ہاں کچھ بھی نہیں
شاید ہم بھی نہیں
خدا بھی نہیں
شعور بھی نہیں
ارادہ و اختیار بھی نہیں
کچھ بھی نہیں

☆☆☆

جذباتی اثریت Emotional Effects

الفاظ کے وسیلے سے کسی خاص جذبہ کو مجسم کر کے آنکھوں کے سامنے لے آنا اَدب میں جذباتی اثریت کہلاتا ہے۔ ملاحظہ ہو میری منثرہ" درد کا قرعہ"۔ م

وہ مخملیں مگر
چبھتا احساس تھی
یا پھر اخلاص کے طاقچے میں رکھا
ایک خشک گلاب
یا مَسلی ہوئی چنبیلی
یا اَن چھوئی چمپا کلی
نہیں

وہ تو اِک چنگاری تھی
جو ٹھنڈی راکھ میں
دم باختہ دھواں چھوڑ گئی
نہیں
وہ تو اِک خواب تھی
جو کھلی آنکھوں سے گزر جائے
نہیں
وہ تو اِک داؤ تھی جو
نوسیکھئے کو مات دے جائے
پتہ نہیں وہ کیا تھی
مگر اتنا تو سچ ہے کہ جب
درد کا قرعہ کھلے
یکا یک اُس کا نام آئے

☆☆☆

نثری شاعری کی یہ درج بالا جوہری صفات اگر ذہن میں رہیں تو اِس نوعیت کی شاعری پر اعتراض بے معنیٰ ہو جاتا ہے۔ البتہ نظم کا مقدمہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ شاعری کی صنفِ نظم منثرہ سے کس بنیاد پر الگ ہو جاتی ہے۔ اُمید ہے کہ نثری شاعری پر یہ خصوصی بحث اُردو اَدب میں نقشِ اوّل کی حیثیت سے دیر تک یاد رکھی جائے گی اور اگر اِس کے برعکس یہ استدلال مسترد بھی کر دیا جائے تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہو گا کہ میرا استدلال عموماً میرے اپنے علمی

مسائل کو رفع کرنے کیلئے ہوتا ہے۔مَیں نے کبھی خود کو مذہب یا اَدب میں سند یعنی Authority کی حیثیت سے پیش نہیں کیا۔علم کی دنیا میں ہمیشہ سے سند دلیل ہوتی ہے نہ کہ شخصیت چنانچہ ہرلحاظ سے غوروفکر کے بعد بھی یہ اندیشہ بہرطور قائم رہتا ہے کہ شاید دلیل میں کوئی کمزوری رہ گئی ہو۔فلہٰذا اگر اِس طرح کوئی کمزوری کبھی مجھ پر ظاہر ہوتی ہے تو میں رجوع کرکے اپنے استدلال کو مزید مضبوط کرلیتا ہوں۔

نثری شاعری پر بحث مکمل ہوئی اور اب میں چند الفاظ اپنی نثری شاعری کے متعلق عرض کرکے مقدمہ ختم کرتا ہوں۔منثور کلام کے اِس مجموعے کا نام میں نے دُکھ پتیاں رکھا جبکہ اِس سے قبل منظوم کلام کا مجموعہ "سوزِنہاں" پرنٹ اور پی ڈی ایف دونوں میں ڈیڑھ سال قبل شائع ہوچکا۔نظم سے دلچسپی رکھنے والے قارئین سوزِنہاں کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔

میری نثری شاعری بھی نظم کی طرح دراصل میری زندگی کے تلخ تجربات کا عرق ہے۔شعر کے معاملے میں مَیں صرف کیفیت کا تابع ہوں چنانچہ کیفیت ہو تو شعر ہوجاتا ہے ورنہ مہینوں تک ایک مصرع یا پنکتی بھی نہیں لکھی جاتی۔دُکھ پتیاں میرے کرب آمیز حالات کی ایک مختصر تحریری دستاویز ہے جس کی صنف صرف منثرہ ہے۔

نظم کی دیگر ذیلی اصناف بھی موجود ہیں مگر منثرہ فی نفسہٖ ایک ہی صنف ہے اِس کو مزید تقسیم نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ نظم میں شعر کے علاوہ، پابندنظم، معریٰ نظم، آزادنظم، غزل، رباعی، قطعہ اور مستزاد وغیرہ موجود ہیں۔فی الحال منثرہ میں کوئی نئی صنف ایجاد نہیں ہوئی البتہ ماثورہ یعنی Aphorism کے متعلق ابھی تک استدلال قائم نہیں ہوا کہ آیا اِسے منثرہ کی صنف میں شمار کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔شاید آنے والے وقت میں کہیں مجھے یہ توفیق نصیب ہوجائے کہ ماثوریت پر بھی بحث کرسکوں تو یہ میرے لئے ایک انوکھی خوشی کا موقع ہوگا۔ہمارے ہاں

اُردو اَدب میں فی الحال منثور کلام بہت ہی کم مقدار میں موجود ہے اور اِس کی وجہ شاید نظم کی وہ صنفی دادہ گیری ہے جو اغلباً نظم کے شعراء کی بدولت اُردو اَدب پر قائم ہو چکی ہے یا پھر منثور کلام اِس قدر مہارت و ریاضت کا متقاضی ہے کہ اِس پر عام شعراء ہاتھ ہی صاف نہیں کر پاتے پس ہر دو صورتیں منثور کلام کیلئے مضر ہیں ۔

خیر اِس وقت آپ دُکھ پتیاں پڑھیں اور اگر آپ نے سوزِ نہاں کا مطالعہ کیا ہے تو آپ کیلئے میرا طرزِ نگارش متعجب نہیں ہوگا۔

نعمان نیرؔ کلاچوی

22، جولائی 2024ء

منثورات

اصل تو دکھ ہے

تف ہے زندگی

تیرے ہونے پر

حتیٰ کہ

تیرے اِمکان پر تف

ہے کیا تیرے پاس؟

دینے کو

کچھ بھی نہیں نا؟

ہاں

کیوں کہ تُو

اصل نہیں

اصل دکھ ہے

دردکا قرعہ

وہ مخملیں مگر چبھتا احساس تھی
یا پھر اخلاص کے طاقچے میں رکھا
ایک خشک گلاب
یا مَسلی ہوئی چنبیلی
یا اَن چھوئی چمپا کلی
نہیں وہ تو اِک چنگاری تھی
جو ٹھنڈی راکھ میں
دم باختہ دھواں چھوڑ گئی
نہیں وہ تو اِک خواب تھی
جو کھلی آنکھوں سے گزر جائے
نہیں وہ تو اِک داؤ تھی
جو نوسیکھئے کو مات دے جائے
پتہ نہیں وہ کیا تھی
مگر اتنا تو سچ ہے کہ جب
درد کا قرعہ کھلے
یکا یک اُس کا نام آئے

میزان

خدا نہیں ہے
کوئی بات نہیں
لیکن تم یہ مت سمجھ لینا کہ
تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے
تم ظالم ہو تو تمہارے لئے بھی
ایک ظالم پیدا ہو چکا ہے
جو تمہیں ایک فقید المثل
عبرت بنا کر چھوڑے گا
پھر تمہارا نام و نشاں تک نہ ہو گا
میزان تو لگے گی
اور تمہارا ہر عمل تولا جائے گا
پھر چاہے یہاں یا وہاں
یہاں تم بچ بھی سکتے ہو
لیکن وہاں کیسے بچو گے؟
تم نہ رکھو یقین وہاں پر
لیکن تم نہیں جانتے کہ
کوئی وہاں نہیں ہے

زیادہ سے زیادہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ
شاید کوئی وہاں نہ ہو
ہاں شاید
لیکن موت میں کیا شاید
مرو گے تو سہی نا؟
ہاں مرو گے
حالانکہ تم قادر ہو
دیکھو غور سے اپنی طاقت
اِس لامحدود طاقت کے باوجود بھی
اے زمین کے خودسر خدا !
تم مَر رہے ہو
اور کوئی بھی تمہیں
بچا نہیں پا رہا
محسوس کرو یہ اذیت
یہی اذیت
تمہاری میزان ہے
جو لگ چکی

کیا ہوں مَیں؟

فرطِ جذبات کے دوران
مسلمان ہوں مَیں
اور پھر عقل کی تزویر میں
ایک کافر ہوں
بات جب نکل آئے
روایت کی
پختہ ایک روایتی ہوں مَیں
اور پھر عشق کے میدان کا
ایک صوفی ہوں
کافر مجھے مسلمان
اور مسلمان مجھے کافر سمجھتے ہیں
پاگل مجھے فرزانہ تو
عقلمند دیوانہ سمجھتے ہیں
اپنے مجھے فارغ الاحال
تو پرائے فارغ البال سمجھتے ہیں
یہ راز ابھی تک کھل نہ سکا
کہ آخر کیا ہوں مَیں؟

ہوں بھی سہی یا صِرف ایک
خواب ہوں مَیں
آخر کیا ہوں مَیں؟

وہ کاسنی فراک والی لڑکی

بہت یاد آتی ہے
وہ بہت زیادہ
بہت ستاتی تھی مجھے
لڑنا تو جیسے
اُس کا مشغلہ تھا
اور بدتمیزی
اُس کی عادت
پھر بھی وہ میری
آنکھ کا تارا
جگر کا ٹکڑا
جسم کی تازگی
روح کا سکون تھی
پتہ نہیں کہاں ہو گی وہ
بے وفا
بے مروت
اَلھڑ خود غرض
مر نہ گئی ہو کہیں

عبادت

عبادت
کس کی کریں؟
ظالم کی یا پھر
عادل کی؟
وہ تو ایک ہے نا
کون؟
خدا قادرِ مطلق
اگر وہ ایک ہے
تو پھر بیک وقت
ظالم بھی ہے
اور عادل بھی
تو بتائیں اب
عبادت کس کی کرنی ہے؟
ظالم کی یا عادل؟

ظلم

ظلم
ہی اصل ہے
کیونکہ وہ ظالم مطلق ہے
کون؟
وہی جو قادرِ مطلق ہے
جس کی مرضی کے بِنا
ایک پتا بھی نہیں ہِل سکتا
وہی ظالم ہے
اگر وہ ظالم نہ ہوتا
تو کس میں اتنی جرأت تھی
کہ وہ ظلم کرتا
لیکن اگر وہ ظالم نہیں
تو کون ہے جو ظلم کو
قائم رکھے ہوئے ہے؟
کیا کوئی دوسرا بھی ہے؟
نہیں وہی ایک ہے
اور وہی

ظالم بھی

اور عادل بھی

مظلوم بھی

اور مرحوم بھی

پس ماننی ہے

تو پوری بات مانو

ورنہ

توڑ دو یہ وحدت

اور کر دو

ظلم کو عدل سے الگ

دوبارہ زندگی

ایک دم چپ
بالکل چپ پاکھنڈی
بہت سن لیں تیری کہانیاں
تیرے کہانیوں کے چکر میں
میری ایک اکلوتی زندگی گئی
لیکن تُو پھر بھی
باز نہیں آرہا
دوبارہ زندگی
جنت
دودھ اور شہد کی نہریں
حور و غلماں، شراباً طہور
غل غپاڑہ، عیاشیاں
نہیں سننی مجھے اب
تیری یہ کہانیاں
بس تُو چپ کر جا اب
تیری مہربانی

محبت

محبت
سچ تو ہے مگر
بہت عارضی
بہت وقتی
یعنی
خود غرضی کے
کچے دھاگوں سے بندھی
بہت نازک
ذرا سا کَسا تو
تڑاخ سے ٹوٹ گئی

علم

ہمیں کیا پتہ
کہ جو
ہمیں پتہ ہے
درحقیقت
یہی پتہ ہے

درد

درد

بڑا ہے

خدا سے بھی

کہ جب یہ

نازل ہو جائے

تو پھر نہیں رہتی

کسی کام کی

پناہ خدا کی بھی

اولاد

ظلمِ عظیم ہے
کسی نفس کو

اُس کی اجازت کے بِنا

اِس دنیا میں لانا

اِس حال میں کہ

زندگی صرف دُکھ ہے

ہاں
ظلمِ عظیم ہے

یہاں

نئے دُکھ پیدا کرنا

روٹی

روٹی
ہی تو بَلا ہے
جو بندے کھا جاتی ہے
مگر اِسے
کوئی نہیں کھا پاتا

خدا اور دھندہ

خدا کا رستہ

بہت صاف اور سیدھا

چلتے جاؤ چلتے جاؤ

اور بس

چلتے ہی جاؤ

کہ منزل نہیں ہے

اور نہ صرف اتنا کہ

منزل نہیں ہے

خود رستہ بھی گم گشتہ

جی ہاں رستہ بھی گم

راہی بھی گم

بالآخر

کچھ بھی نہیں

سوائے ایک منڈی کے

یہ کیا شور و غل ہے بھئی

کیا یہ خدا کی منزل ہے؟

نہیں بھائی آپ کون ہو؟

میں خدا کا متلاشی

ارے صاحب یہاں کیسے؟

خدا کو ڈھونڈنے آیا ہوں

کیا خدا یہاں مل جائے گا؟

ارے صاحب یہاں، خدا؟

صاحب یہ تو منڈی ہے

منڈی جہاں دھندہ چلتا ہے

لیکن میں تو منڈی چھوڑ کر

اِس راہ پر چلا تھا

صاحب آپ نے دھندہ چھوڑ دیا؟

جی ہاں

مگر دیکھ لو اپنی آنکھوں سے

یہ منڈی ہے

اور یہاں صرف دھندہ ہی چلتا ہے

خدا کا دھندہ

دھندہ کرنا ہے یا نہیں؟

نہیں میاں

مجھے نہیں کرنا یہ دھندہ

تم جانو اور تمہارا یہ دھندہ

خوف کی تجارت

لوگو !

خدا سے ڈرو

اُس کے قہر سے ڈرو

قبر کے عذاب سے ڈرو

جہنم کی آگ سے ڈرو

توبہ استغفار پڑھو

استغفراللہ ربی من کل ذنب

لوگو !

جی حضور

باہر چادر پڑی ہے

حسبِ توفیق ڈالتے جاؤ

پانچ سو

ہزار

پانچ ہزار

خبردار

جو جتنا خرچ کرے گا

وہ اُتنا ہی آگ سے بچے گا

انسانیت

انسانیت

میری میراث نہیں

نہ ہی یہ کوئی

الہام ہے

نہ ہی خدا کی مرضی

بلکہ

یہ تو میرا اختیار ہے

صرف میرا اختیار

چاہے تو مظلوم رہ کر بھی

میں اِس اختیار سے

دستبردار نہ ہوں

اور چاہے تو

دھڑلے سے

اِس اختیار کو

مسترد کر دوں

خونی رشتے

خونی رشتے

وہ دکھ

جو ہم نے خود نہیں کمائے

بلکہ ہمیں

وراثت میں ملے ہیں

اور کون ہے بھلا

جو اپنی وراثت سے

دستبردار ہوا

عشق

عشق
فقط جی کا زیاں
یا مہنگی عیاشی
مگر طلب تو ہے نا
پھر طلب کیا ہے
ہوس
اور بات جب پہنچی
ہوس تک
تو پھر ختم جسم پر
تب کا ہے کا عشق
فقط جی کا زیاں
یا مہنگی عیاشی
یا پھر
نہ ختم ہونے والا دکھ

دُکھ

ہونا

دکھ

پھر نہ ہونا

دکھ

اپنے

دکھ

پرائے

دکھ

جو ہے

دکھ

جو نہیں ہے

دکھ

جو ہوا

دکھ

جو نہیں ہوا

دکھ

ہر قدم

دکھ

پھر اُس قدم

کے آگے بھی

دکھ

انسان کی دریافت

دکھ

اور شدید خدا بھی

دکھ

یادیں

احساس کی خوشبو
ہی سے تو
یادیں بنتی ہیں
اور مجھ نامراد کے پاس
احساس ہے
نہ خوشبو
بہت دور دور تک بھی
کچھ ایسا نہیں ہے کہ
جسے محسوس کر کے
ذہن و دل معطر ہو جائیں
ہے تو بس ایک
دکھ
جو کُل جمع پونجی ہے

تقلید

تقلید
میں نے نہیں کی
اور کیوں کرتا کہ
میں بدھ نہیں ہوں
جو تیاگ کروں
موسیٰ نہیں ہوں
جو ظلم کے خلاف
ڈٹا رہوں
ظلم میری پیداوار نہیں
اور نہ ہی
دُکھ میرا انتخاب ہے
جس سے ڈر کر میں
جنگل نکل جاؤں
میں جو ہوں
وہ تو میں ہوں
اور میرا دُکھ
سب سے الگ ہے

جو میں نے پایا

وہی دیتا رہا

چاہے کسی کو

ضرورت تھا یا نہیں

مگر میں نے کسی کا اُگلا

نہیں چبایا

کیونکہ میں نے کبھی

تقلید نہیں کی

تحقیق کی ہے

پھر بھلے

خالی ہاتھ ہی کیوں نہ رہا

بے خوابی

کروٹیں بدل بدل کر
جسم شل ہو جاتا ہے
اور دماغ سوچ سوچ کر
سُن ہو جاتا ہے
مگر
نیند ہے کہ جو آنکھوں سے
اتنی دور
جتنی محبت
قسمت سے
اور طبیعت
اُمید سے

موت

شکر ہے
کچھ تو ایسا بھی ہے
زندگی میں
کہ جسے سوچ کر
طبیعت نہال ہو جاتی ہے
ورنہ دکھ کے سِوا
پایا کیا ہم نے
موت
نہ ہوتی تو ہم
سچ میں مارے جاتے
یہ موت ہی کا کرم ہے
کہ ہم جی رہے ہیں
ورنہ جئے کون
یہ موت ہی تو اصل ہے
نہ صرف اصل
بلکہ حاصلِ زندگی ہے

ویراگ

ہر رنگ سیاہ ہے
بس
سفیدی اُترنے کی دیر ہے
لال
پیلا
ہرا
نیلا
سبھی رنگوں پر
ایک پتلی سی تہہ جمی ہے
جسے ہم نے رنگ کہا
اب ذرا اِسے
کھرچ کر دیکھو
سیاہی
ظاہر ہو جائے گی
یہی سیاہی اصل ہے
اور یہی سیاہی
ویراگ ہے

زندگی

زندگی

دکھ ہے

اِس کا ہر رنگ

دکھ ہے

اِس کا ہر ڈھنگ

دکھ ہے

اِس کی چمک بھی

دکھ ہے

اِس کی دمک بھی

دکھ ہے

اِس کا دکھ بھی

دکھ ہے

اور

اِس کا سکھ بھی

دکھ ہے

بھگوان بدھ نے جو کہا

وہ بھی دکھ ہے

مہاویر نے جو سہا

وہ بھی دکھ ہے

حضرت محمدؐ پر جو گزری

وہ بھی دکھ ہے

اور

مسیح نے جو نبھائی

وہ بھی دکھ ہے

حتیٰ کہ

خدا خود بھی

دکھ ہے

بلکہ

دکھ خدا سے عظیم تر ہے

خدا

خدا
یہ کیسے جانا
کہ وہ ایک ہے؟
اور یہ کہ وہ
ہے بھی یا نہیں؟
انکار کون کرتا ہے
مگر اقرار کے بعد
کیا وہ مل جاتا ہے؟
مل جاتا ہے تو کہاں تھا
جب ہم نے مانا؟
اب جب کہ
سمجھ ہی نہیں کہ
چکر کیا ہے
کچھ بھی نہیں ہے پاس
کفر و تضلیل کہہ کر
پتلی گلی سے نکل جانا
کس قدر آسان ہے

شیخ صاحب

مگر کسی گم راہ کو

منزلِ مقصود تک پہنچانا

کس قدر مشکل ہے

ہے نا؟

نٹ کھٹ سی وہ

اُس کا احساس

وہ یادوں کی خوشبو

تصور کے رنگ

اور اُن رنگوں میں

ہولی کھیلتی

کودتی پھدکتی

جیسے قُمری کوئی

بڑے گھر کی

تنگ کرتی

چھیڑتی

مسکراتی

آجاتی ہے

خیالوں میں

نٹ کھٹ سی وہ

کچھ بھی نہیں

کس جاہل نے خبر دی کہ ہم
ایک حادثے کی پیداوار ہیں
نہیں
ہرگز نہیں
ہمارا شعور ہمیں سمجھاتا ہے
کہ ہم
نہیں سمجھ سکتے
کہ ہم
پتہ نہیں کیسے واقع ہوئے
کیوں واقع ہوئے
واقع ہوئے بھی یا ابھی
اِمکان میں ہیں
ہمارا خالق ونگہبان کون ہے
ہے بھی سہی یا نہیں
پتہ نہیں
بظاہر تو صرف دکھ ہے
اور اِس دکھ کا احساس

علاوہ ازیں کچھ نہیں

ہاں کچھ بھی نہیں

شاید ہم بھی نہیں

خدا بھی نہیں

شعور بھی نہیں

ارادہ و اختیار بھی نہیں

کچھ بھی نہیں

تیاگ

کسی بھی چیز کو
پانے کیلئے
کیول ایک ہی
منتر ہے
تیاگ
اُپنشد کہتے ہیں
تَین تکتین بُھجیتا
اَرتھاتھ
جنہوں نے تیا گا
اُنہوں نے ہی بھوگا

دین

ایک خبر
جو نہ پہنچے
تو کوئی بات نہیں
پہنچ جائے تو کیا
اصل مسئلہ تو
جوں کا توں رہا
یعنی روٹی اور خواہش
تیرا میرا مسئلہ
دین نہیں
روٹی ہے
عبادت نہیں
خواہش ہے
روٹی اور خواہش کے بیچ
جھولتا انسان
دین یعنی
فکری عیاشی کا متحمل کب ہوا؟

پیسہ

دنیا کی رنگا رنگی میں
ہر چیز پیسے کی زبان بولتی ہے
شہر کی سڑکوں پر
بازاروں کی رونقوں میں
انسانوں کی جدو جہد میں
ہر جگہ پیسہ چھپا ہوا ہے
خواب دیکھنے والے بھی
حقیقت سے ملنے والے بھی
سب کو پیسے کی ضرورت ہے
گھر کا کمرہ
جسے ہم اپنی پناہ سمجھتے ہیں
پیسے کے بغیر
ایک خاموش ویرانے کی صورت
اختیار کر جائے گا
روٹی کا ٹکڑا
جو ہمیں زندگی سے ہمکنار کرتا ہے
پیسے کے بغیر

محض ایک خواب بن جائے گا
محبت کی باتیں
خوابوں کی رومانیت
سب پیسے کی مشینری میں
گم ہو جاتی ہیں
کیا خوبصورتی کی دمک
کیا علم کا خزانہ
اور کیا عزت و تکریم
سب کچھ
پیسے کی چمک کے بغیر
مدھم ہو جاتا ہے
علم کی روشنی
جو بغیر پیسے کے
ایک سراب بن جاتی ہے
ہر خواب
ہر اُمید
ہر لمحے
ہر سانس کی قدر
صرف پیسہ متعین کرتا ہے

پیسہ وہ چار دیواری ہے
جو ہمارے دل و دماغ
ہمارے جسم کو
محفوظ بنا دیتا ہے
پیسہ نہ ہو تو سب کچھ
محض ایک خواب
ایک وہم
ایک فرضی دنیا
کی شکل اختیار کر جاتا ہے
ہم سب
پیسے کی چمک کے اسیر ہیں
جو زندگی کے ہر کینوس کو
رنگوں سے بھر دیتا ہے

سکون

سکون
ابھی اور یہیں نہیں
تو
کبھی اور کہیں نہیں
کیوں کہ
جو کبھی
اور کہیں ہے
وہ ابھی
اور
یہیں ہے

اے خدا !

اے خدا !
تُو ہے تو
آ
اور مدد کر میری
کہ میں
جاں بلب ہوں
کیوں کہ
مرہم وہ ہے
جو بروقت ہو
جب زخم
ناسور بن کر
فنا کر دے
تب کاہے کی
مرہم پٹی
پس
اگر یہی تیری
منشاء ہے

کہ ہم یونہی

زخم آلودہ رہیں

درد گزیدہ رہیں

تو پھر

ظالم اعلیٰ

کوئی دوسرا

کیوں؟

امتحان

امتحان

بھلا کس چیز کا؟

اور ہم سے کیوں؟

یہ درد

یہ اذیت

یہ فضیحت

یہ ذلالت

یہی ہے کیا امتحان؟

تُو قادرِ مطلق ہے

لیکن پھر بھی

تُو ایک کمزور کو

آزماتا ہے

اور اِس آزمائش پر

کوئی بھی پورا

نہ اُترا

لیکن پھر بھی

تیرا یہ

امتحانی تماشا

جاری ہے

اب کون پوچھے بھلا

تجھ سے

کہ بند کر

یہ اذیت ناک تماشا

کہ اب تو خلق

مَری جارہی ہے

مگر میں جس سے

مخاطب ہوں

وہ

نہ معلوم ہے بھی

یا کوئی قدیم

وہم ہے

پتہ نہیں

جھوٹا روپ

تُو بھی جھوٹ

تیرا روپ بھی جھوٹ

تیرے وعدے

تیری قسمیں

تیری وفاداری

تیرا اخلاص

سب جھوٹ

کیوں کہ

میں خالی ہاتھ تھا

اور تجھے

قیصرِ روم

چاہئے تھا

دھندہ اور دھرم

دھندہ دھرم

ایک سمان

دھندہ ہے

تو

دھرم ہے

ورنہ

جیون مَرن ہے

دھرم نے ہم کو

دھندہ سکھایا

دھندے سے سب

گیان در آیا

تبھی تو کہوں کہ

دھندہ ہی تو

دھرم ہے

دوسرا دُکھ ہے

دوسرا دُکھ ہے
گوتم نے کہا
مگر
کوئی کب تک
خود سے
چمٹا رہے
اور پھر کیا کرنا ہے
خود کو
دوسروں سے بچا کر
گر دوسرا دکھ ہے گوتم
تو پھر سکھ بھی تو
دوسرا ہی ہے نا
کیوں کہ
سکھ تو تبھی ممکن ہے
جب کوئی خود سے نکل کر
کسی کیلئے جیتا ہے
اب دکھ سے ڈر کر

سکھ کو تیاگ دینا
گیان نہیں
کائرتا ہے گوتم
بزدلی ہے
مَیں بزدل نہیں

خدا کے دلال

یہ ہیں انبیاء کے وارث

اوصیاء اولیاء

پیر فقیر

جو یہ کہیں

وہ سچ

جس سے یہ روکیں

وہ بدی

اِنہیں خبر ملی

خدا کی

اور یہی ہیں

خدا کے دلال

یہ بیچتے ہیں

خدا

اور خدا کی باتیں

اور پھر

یہی ہیں جو

کرتے ہیں تفریق

انسانوں میں

کوئی کافر

کوئی مسلم

کوئی عیسائی

کوئی براہمن

اور یہی ہیں

جو لڑواتے ہیں

انسانوں کو

انسانوں سے

کیوں کہ

یہی ہیں

خدا کے دلال

اوقات

اوقات نہ ہو

تو محبت

اذیت بن جاتی ہے

علم مذاق

قابلیت دو کوڑی کی

اور اخلاق

ایک ٹکّے کا

کیوں کہ

دنیا ہمیں صرف

ہماری اوقات ہی سے

پرکھتی ہے

اور اوقات

یعنی کیا؟

پیسہ اور کیا

معیار

اپنے معیار کو

اتنا بلند نہ کر

کہ جب تُو

ٹوٹ کر بکھرے

تو کوئی مخلص

تجھے سمیٹنے

آئے

تو تجھ تک

پہنچ نہ پائے

وقت

وقت
ایک وہم ہے
جو ہم نے
صدیوں سے پال رکھا ہے
کیا پتہ
جسے ہم
وقت کہتے ہیں
درحقیقت
اُس کا کوئی
وجود ہی نہ ہو

نِروان

نِروان

اَرتھاتھ

دییےَ کا بُجھ جانا

سب بھسم

کام

کرود

بھَے

موہ

واسنا

لاب

اِیرسا

گھِرَ نّا

سب بھسم

بھبھوت

تب پرا گھٹ ہو

نِروان

کیسی دنیا بنائی تُو نے

یہ کیسی دنیا بنائی تُو نے

اے خدا !

یہ کیسا نظام ہے؟

یہاں ہر خوشی کے پیچھے

غم کیوں ہے؟

یہاں ہر ہنسی کے پیچھے

آنسو کیوں بہتے ہیں؟

یہ کیسی قید ہے وقت کی؟

یہ زندگی

اتنی مختصر کیوں؟

یہاں ہر خواب ادھورا کیوں؟

یہاں ہر راستہ پُرخار کیوں؟

یہ کیسا انصاف ہے تیرے دربار میں

یہاں نیک دل بھی

سخت پریشان

یہ کیسا عدل ہے؟

یاربّ !

یہاں مظلوم بھی ہار مانتے ہیں

یہ کیسا کھیل ہے؟

اے مالک !

یہاں قسمت کیوں روتی ہے؟

یہاں ہر دعا کیوں بے اثر ہے؟

یہاں ہر فریاد

خالی کیوں جاتی ہے؟

تُو نے سب کچھ بنایا

اے قادرِ مطلق !

پر یہ بے چینی کیوں پیدا کی؟

یہاں ہر لمحہ تڑپ کا کیوں ہے؟

یہاں ہر دل میں درد کا گھر کیوں ہے؟

تُو سب جانتا ہے

اے علیم !

پر پھر بھی یہ خاموشی کیوں؟

یہاں

ہر سوال کا جواب

کیوں نہیں موجود؟

یہاں ہر درد کا مداوا

کیوں نہیں ہوسکتا؟

ہم تیرے بندے
تجھ سے فریاد کرتے ہیں کہ
یہ زندگی کی بے ربطی کیوں ہے؟
اے زندگی کے خالق !
یہاں ہر انسان
بے کس کیوں ہے؟
یہاں ہر روح
تنہا کیوں ہے؟

لایعنی

زندگی کی شاخوں پر
خوابوں کے پھول مرجھا چکے ہیں
اُمیدوں کے پتوں پر
خزاں نے قبضہ کرلیا ہے
خوشیوں کی جڑیں
سوکھ چکی ہیں
اور محبت کی روشنی
کہیں کھوگئی ہے
ہر قدم پر مایوسی کا سایہ
ہر راہ میں تنہائی کا غبار
وقت کی رفتار میں
بس سب کچھ فضول
بے مقصد
بے ربط
بے معانی
لایعنی
دن کا اُجالا

رات کی تاریکی

سب بے مصرف

سب بے کار

زندگی کی دھڑکنیں بھی

اب محض ایک شور

ایک بے روح موسیقی

خوابوں کی دنیا میں

بس دھوکہ

فریب

سراب

حقیقت کی تلخی میں

صرف درد

بس کرب

فقط عذاب

ہر لمحہ جو گزرتا ہے

ایک بوجھ

ایک زنجیر

یہ زندگی

یہ وجود

سب کچھ فضول

بے مقصد

بے ربط

بے معانی

لایعنی

ناگہانی

تنہائی

خالی کمرہ

خاموش دیواریں

ہر گوشہ گم صم

بھٹکتی آوازیں

ایک کرسی

ٹوٹی میز

دل کا بوجھ

آنکھوں کا درد

کوئی نہیں

صرف مَیں

اور تنہائی کی سنگین رات

بکھرتے خواب

تھمتی سانسیں

گرتے آنسو

روتا سکوت

رات کی سیاہی

دل کی ویرانی

وقت کا بوجھ
دل کی تھکن
تنہائی کا احساس
ہر لمحہ
ہر پل
ہر ساعت

نیناں

نیناں !

تیرے بنا یہ زندگی

ایک ویران صحرا ہے

دل کی دھڑکنیں

اب بے مقصد ہیں

جیسے بے سمت ہوائیں

سوکھے پتے بکھر جائیں

تیری ہنسی کی گونج

تیری باتوں کا سرُور

سب کچھ اب

ماضی کی یادوں میں

دفن ہو چکا ہے

رات کے اندھیروں میں

تیری کمی کا احساس

ایسا لگتا ہے

جیسے کوئی غم کا سمندر

دل میں اُتر چکا

نیناں !

تیری جدائی کا یہ درد

ہر پل

ہر لمحے کے ساتھ

گہرا ہوتا جا رہا ہے

تیرے بغیر یہ دنیا

اِس میں پڑا سب کچھ

بے رنگ

بے معنیٰ لگتے ہیں

کاش وقت تھم جائے

کاش یہ خواب حقیقت بن جائے

کہ پھر سے تیری آنکھوں میں

وہ پیار چمک اُٹھے

نیناں !

تیرے بغیر یہ زندگی

ایک نا ختم ہونے والی

اُداسی کا قصہ ہے

جو ہر لمحے

ہر یاد میں

دہرایا جاتا ہے

تیرے بغیر

میری ہر خوشی

ہر مسکراہٹ

اَدھوری ہے

بے روح ہے

نیناں !

تیری جدائی کا یہ غم

ایک ایسا زخم ہے

جو کبھی بھر نہیں سکتا

ایک ایسا درد ہے

جو کبھی کم نہیں ہو سکتا

بیزاری

زندگی کا یہ سراب
یہ بے سمت سفر
جہاں خوشی کی جھلک
بھی دھندلا جاتی ہے
ہر قدم پر
ہر موڑ پر
بس ایک نئی اُلجھن
یہ دل کی تنہائی
یہ روح کا خلاء
ہر صبح کی روشنی
ایک بوجھ لگتی ہے
رات کی تاریکی
پُرسکون لمحے
لیکن نیند
ایک خواب بن کر رہ گئی
جس میں سکون کہیں نہیں ملتا
دوست

رشتے

سب دور کے ساتھی

کہیں کوئی ہمراز نہیں

کوئی ہمدرد نہیں

زندگی کا یہ سراب

ایک بوجھ

ایک بے کار مشقت

جہاں ہر اُمید

ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں

میں تھک گیا ہوں

ہار چکا ہوں

زندگی کا یہ سراب

اب مزید برداشت نہیں ہوتا

بس ایک خاموشی

ایک سکون کی تلاش ہے

جہاں بیزاری کا کوئی نشاں نہ ہو

آخرت

زندگی کی آخری سانسوں میں
جب آنکھوں کی روشنی
دھندلا جاتی ہے
اور دل کی دھڑکنوں میں
سکوت چھا جاتا ہے
تب ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے
کہ شاید یہ سب کچھ
ایک خواب تھا
ایک ایسا خواب
جس کی حقیقت سے
ہم ناواقف تھے
ہم نے اِس دنیا میں مال و دولت
شہرت و عزت کے پیچھے دوڑ لگائی
لیکن جب زندگی کا آخری لمحہ آیا
تو سب کچھ بے کار معلوم ہوا
جیسے ریت کا محل
سمندر کی لہر میں بہہ گیا ہو

آخرت کی زندگی

جس کا ذکر

ہر کتاب میں تھا

جس کی بات

ہر بزرگ نے کی تھی

شاید وہ بھی

ایک وہم تھا

ایک ایسی حقیقت

جسے ہم نے خود بنایا
محض اپنی تسلی کے لئے

خوف کی تسکین کے لئے

ہم نے زندگی کو
ایک کھیل سمجھا

جس میں جیتنے کا انعام

آخرت کی جنت تھی

لیکن جب پردہ اُٹھا

تو معلوم ہوا کہ
یہ سب محض فریب تھا

شاید زندگی کی اصل حقیقت

اِسی دنیا میں تھی

اِسی لمحے میں

جسے ہم نے نظر انداز کیا

کسی ایسی چیز کے پیچھے

بھاگتے ہوئے

جو شاید کبھی تھی ہی نہیں

وہ دونوں

رات کی خاموشی میں
چاندنی کی نرم روشنی میں
وہ دونوں ایک دوسرے سے
لگ کے بیٹھے تھے
اُن کی آنکھیں
ایک دوسرے کی چمک میں
کھوئی ہوئی تھیں
جیسے ہر ستارہ
اُن کی محبت کی
گواہی دے رہا ہو
ہوا میں سرگوشیاں تھیں
جو دل کی باتیں
فر فر بیان کر رہی تھیں
اُن کے لمس میں
ایک گرمائش تھی
جو دل کی گہرائیوں سے
نکل کر جسم تک

پہنچ چکی تھی

گرم احساس سے پُر

ہر نرم ہوا کا جھونکا

اُن کے درمیان کی فضاء کو

مزید رنگین بنا رہا تھا

اُن کی باتوں میں

محبت کی مٹھاس تھی

جو ہر لفظ کو دل کے

قریب لے آتی تھی

اُن کی قربت نے

وقت کو روک دیا تھا

جیسے یہ لمحے

ہمیشہ کیلئے رک گئے ہوں

ہر لمس

ہر بوسہ

ہر بھینچ

محبت کی لذت سے بھرپور تھا

جیسے اُن کی روحیں

ایک دوسرے کی

سرگوشیوں میں گم ہوگئی ہوں
وہ لمحے

وہ رات
اُن کی محبت کی غزل تھی
جو چاندنی کی دلکشی میں
گونج رہی تھی
جیسے بیگم اختر
تِلک کامود کا اَلاپ
چھیڑ رہی ہو
ایک دوسرے کے بدن میں
گم ہو کر
اُن کی محبت کی عمیق اور رنگین
تصویر سامنے آرہی ہو
اور جیسے یہ دنیا
صرف اور صرف
اُن دونوں کے لئے بنی ہو

لفظی مباشرت

لفظوں کی مباشرت
ایک پُرفریب شطرنج
جہاں الفاظ
جذبات کی چال چلتے ہیں
خود کو بے نقاب کئے بغیر
ایک عالم خیال میں بسنے والے
یہ حرف
یہ خیال
یہ جملے
دلوں کی روداد بن جاتے ہیں
لفظوں کی سرگوشی
ہر ایک دھڑکن کی روشنی میں
چھپے ہوئے جذبات کی
عریانی کا پردہ چاک کرتی ہے
لیکن کیا یہ سچ ہے؟
کیا لفظ وہ سب کچھ
کہہ سکتے ہیں جو دل چاہتا ہے

بالکل نہیں

الفاظ کے سمندر میں
ہم اکثر اِس اُلجھن میں ہوتے ہیں
کہ وہ کس قدر قریب ہیں
لیکن حقیقت میں کوسوں دور
مباشرت کی یہ لفظی دنیا
ہزاروں معانی لئے
بہت کچھ کہنے کے باوجود
کبھی مکمل طور پر
سمجھائی نہیں جا سکتی
یہاں ہر لفظ ایک خوشگوار وعدہ ہے
ہر جملہ ایک چمکتی اُمید
لیکن کیا واقعی
اِن میں سچائی چھپی ہے؟
یا یہ صرف الفاظ کا کھیل ہے؟
جس میں ہم سب حصہ لیتے ہیں

بُڑھیا کی کتاب

خدا
وہ عظیم شان والا
سب کی دعاؤں کا مستجاب
سب کی مشکلات حل کرنے والا
کیسا تصور ہے یہ؟
ایک چھوٹا سا گاؤں
جہاں غربت کا سایہ
ہر گھر کی دیواروں پر لکھا ہوا ہے
لوگ صبح کی روشنی کے ساتھ
دانے دانے کیلئے محنت کرتے ہیں
پھر تھکے ہارے
رات کی تاریکی کی چادر تانے
بے سُدھ سو جاتے ہیں
مگر خوابوں میں بھی
آس کی کرن تلاش کرتے ہیں
مگر خدا
وہ تو اُس گاؤں کی

پتھریلی زمین کے نیچے دفن ہے

اُس کے بزرگ علم میں

ہماری مشکلات کا کوئی ذکر نہیں

اُس کی بے نیازیت

ہمارے دکھوں کا

کوئی جواب نہیں دیتی

ایک دن

گاؤں کی ایک بوڑھی عورت

جس نے ہر موسم کی

سختیاں جھیلی ہیں

اپنے کھردرے ہاتھوں سے

ایک پرانی کتاب کھولتی ہے

جس میں لکھا تھا کہ

دعا کر

خدا تمہاری مدد کرے گا

لیکن وہ جانتی ہے کہ

جب دعا کے کلمات

ختم ہو جاتے ہیں

تو کمر کا درد

اور کھیت کی ویرانی
ویسے ہی باقی رہ جاتی ہے
جیسے تھی
خدا کو طلب کرنے کا
یہ سفر کبھی اختتام پذیر نہیں ہوتا
یہ ہمیشہ کی تلاش ہے
جو کبھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتی
جب ہر دروازہ بند ہو جاتا ہے
ہر ستارہ مدھم ہو جاتا ہے
ہر اُمید دُکھ بن جاتی ہے
تب ہمیں انفرادی طور پر
اپنی تقدیر کا فیصلہ
خود کرنا پڑتا ہے
خدا کی عدم موجودگی میں
صرف ہماری محنت
اور حوصلہ ہی وہ چیزیں ہیں
جو ہمیں آگے بڑھا سکتی ہیں
اب اُس گاؤں کی مٹی
اور بُڑھیا کی ہمت

خدا کی موجودگی کا

انتظار نہیں کرتے

کیونکہ وہاں اب

خدا کے بغیر بھی

زندگی چل رہی ہے

اور بہت خوب چل رہی ہے

دل کی آواز

کیا خدا کسی کی نہیں سنتا؟

تاریک رات کی گہرائی میں

خاموشیوں کی چادر تانے

کہیں دور ایک آواز اُبھرتی ہے

مانگتی ہے

پکارتی ہے

بلکتی ہے

آسمان کی وسعتوں میں

ستارے اپنی روشنی میں

ایک سوال پوچھتے ہیں

کیا خدا کسی کی نہیں سنتا؟

دنیا کی بھیڑ میں

دل کی تنہائی میں

ایک دل بے بسی سے

خدا کو پکارتا ہے

ہر سانس میں

ہر دعا میں

ایک ہی فریاد

کیا خدا کسی کی نہیں سنتا؟

بارش کی بوندوں میں

پتوں کی سرسراہٹ میں

کہیں سے کوئی جواب

آتا ہے نہ کوئی نشانی

مگر پھر بھی

اِس بے بسی میں

اِس خاموشی میں

ایک اُمید

ایک روشنی کی کرن

کہ شاید کسی دن

کسی لمحے

خدا سن لے

اور پھر

خاموشی ٹوٹ جائے

دل کی آواز

آسمانوں تک پہنچ جائے

خدا اور محبت

نئی صبح کی پہلی کرن میں
علی پور گاؤں کے درخت
لہلہا اُٹھے
چڑیوں کی چہچہاہٹ نے
آس پاس کی فضاء کو
کائناتی موسیقی سے بھر دیا
لوگ دربار حیدر سئیں سے
دھڑادھڑ باہر نکل رہے تھے
نیناں بھی دربار سے لوٹ کے آ رہی تھی
اُس کی آنکھوں میں ایک سوال تھا
کیا واقعی خدا موجود ہے؟
محبت کی طرح
کیا خدا بھی ایک تصور تو نہیں؟
رومی
ایک شکستہ حال
شکستہ دل موسیقار
گاؤں کے چوراہے پر بیٹھا

بانسری میں راگ بھیروں کی

دھن بجا رہا تھا

اُس کی بانسری سے

ایک ایسی دھن نکل رہی تھی

جو سیدھا نیناں کے دل کو چھو گئی

رومی کو دیکھ کر نیناں رک گئی

رومی کی حالتِ زار دیکھ کر ماں سے بولی

کیا محبت بھی ایک دھوکہ ہے؟

حامدہ بیگم نے نیناں کو دیکھا اور کہا

بیٹی! خدا اور محبت

دونوں دل کی باتیں ہیں

نیناں نے جواب دیا

ماں اگر دل کے اندر ہی سب کچھ ہے

تو کیا یہ سب صرف ہماری تخلیق ہیں؟

رومی نے بانسری ہونٹوں سے ہٹا دی

نیناں کی طرف دیکھا

نیناں! خدا اور محبت

دونوں انسانی ذہن کی پیداوار ہیں

نیناں نے سوال کیا مگر کیسے؟

رومی نے جواب دیا

ہم اپنے اندر کے

خوف

اُمید

اور خوابوں سے خدا بناتے ہیں

محبت بھی ایسی ہی ہے

ایک خواب جو ہم خود دیکھتے ہیں

نیناں نے پوچھا

اگر خدا اور محبت

دونوں انسان کی تخلیق ہیں

تو کیا ہم اپنی زندگی کے خالق ہیں؟

رومی مسکرایا اور بولا

ہاں

ہم اپنی حقیقت خود بناتے ہیں

خدا اور محبت

ہمارے دل کی تخلیقات ہیں

ہماری اپنی حقیقت

نیناں نے آسمان کی طرف دیکھا

شاید یہی سچ ہے

رومی نے پھر سے

دھن بجانا شروع کر دی

نیناں اب اپنے دل میں

ایک گہرا سکون محسوس کر رہی تھی

سوچ رہی تھی کہ

خدا اور محبت

دونوں ایک ہی سکون کا نام ہیں

جو انسان خود بناتا ہے

اناڑی خدا

کبھی کبھی دل کرتا ہے
تجھ سے پوچھوں
اے اناڑی خدا
کیوں تُو نے پیدا کی؟
یہ ادھوری اور ظلم سے بھری دنیا
یہ نامکمل اور دکھوں سے بھری زندگی
یہ اُکھڑتی سانسیں
جن کا کوئی مطلب نہیں بالآخر
یہ آدھے اَدھورے رنگ
یہ پھیکی اور تیز خوشبو
یہ بھاری اور ڈراؤنی آوازیں
پس جو کچھ بھی تُو نے تخلیق کیا
ہر چیز میں اِک ادھوراپن ہے
اِک نقص ہے
اِک کھوٹ ہے
جسے کوئی دور نہیں کر سکتا
آسمان کے نیلے پن میں بھی

اِک سفید لکیر سی
زمین کی وسعتوں میں بھی
کہیں نا کہیں
اِک لامحدود خلاء سا
پھول کی خوشبو بھی
کہیں بالکل بھی نہیں
تو کہیں حد سے زیادہ
پرندوں کی چہچہاہٹ بھی
کہیں بھاری بھر کم
تو کہیں ہلکی خفیف سی
انسان کے دل میں بھی
اِک نا تمام خواہش
اِک ادھوری تمنا
اور زندگی کے سفر میں بھی
ہر موڑ پر درد
اِک خلش مسلسل
اگر تُو کامل خدا ہے
تو پھر
ناقص خدا کیسا ہو گا

اے اناڑی خدا !

کیوں تُو نے

ہر چیز میں یہ نقص چھوڑا؟

کیوں تُو نے ہر چیز کو

اَدھورا اور ناقص بنایا؟

پر شاید

یہی ادھوراپن

اور یہی نقص ہی ہمارا

غیر متبدل مقدر ہے

اور اِسی اَدھورے پن

اور نقص کے ساتھ

ہمیں بہرکیف جینا ہے

آگے بڑھنا ہے

اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے

فناء ہو جانا ہے

لاپرواہ باپ

ایک گھر تھا، گاؤں کے وسط میں
جہاں ایک باپ رہتا تھا
مگر وہ خودغرض، لاپرواہ
بس اپنے نفس کا غلام
بچوں کی معصوم آنکھوں میں
تاریک سائے چھائے رہتے
بھوک کے مارے بوسیدہ خواب
اُجڑے آنگن میں بکھرتے جاتے
ماں کی ممتا کی آغوش میں
محبت کی رمق کو ترستے
خالی برتن، بےنور چہرے
کسی خوشی کی راہ تکتے
باپ کا دل، پتھر کی مورت
کسی درد سے نہ گھبرائے
صرف اپنے عیش و عشرت میں
دن رات گزارے، دنیا بھلائے
وقت کی بے رحم چکی میں
بچے پل کر بڑے ہوئے

لیکن باپ کی بے حسی
اُن کی روح کو بھی گھائل کرگئی
کسی دن جب باپ کو ہوش آیا
بچے سب دور ہوئے
پچھتاوے کی آگ میں جلے
مگر اب کچھ بھی نہ بچا تھا
وقت کا پہیہ نہیں رکتا کبھی
پرانی یادیں، نئی حقیقتیں
لاپرواہی کے نشان چھوڑ کر
خود غرض باپ تنہا رو دیا
یہی زندگی کا سچ ہے
جو ہم بوتے ہیں، وہی کاٹتے ہیں
محبت کا بیج ہو یا نفرت کا کانٹا
آخر کار سب کو ملتا ہے اپنا کیا

وفا کا پاگل

زندگی کی قبر پر کھڑا

ایک نوجوان بوڑھا

چیخ رہا

ماں نرگسیت کی مَلِکہ

باپ اپنے مطلب کا بادشاہ

بھائی یوسف والے

دنیا ہٹلر کی بچی

مگر اے کافر حسینہ

قاتل نگینہ

تیرے لئے بہایا میں نے

خون پسینہ

جسم، روح، عزت، پیسہ

شہرت اور ناموس

سب گنوایا

مگر تُو بھی نکلی

محض غرض کی پُتلی

خدا کہاں ہے؟

وہ جو ستّر ماؤں سے بڑھ کر

چاہتا ہے اپنے بندے کو

تھک گیا انتظار کر کر کے

بس بہت ہو گیا

کوئی نہیں آئے گا

اے نامراد نوجوان

ڈال گلے میں چادر اپنی

لٹک قبرستان کے پیڑ سے

جیسے کوئی مَرا ہوا اُلّو

ویراں قبرستان میں

پیلو کے درخت سے

لٹک رہا ہو

ٹینائیٹس

دن بھر کی ہر آواز جب
سناٹے کا کفن پہن لیتی ہے
جب اندھیرا گہرا ہو کر
نیلی ماربل والے گھر کو
اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے
تب ایک دیوانے کے کان میں
گہری اور شدید تیز
گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں
جیسے جنگ کے زمانے میں
دور دیہاتوں میں
تیز سائرن بجتے ہیں
بے چینی اور اضطراب کی
یہ انوکھی داستان
تب ختم ہوتی ہے
جب صبح کا سویرا
گہرے اندھیرے کا
گریباں چاک کرتا ہے

بے غیرتی

بے غیرتی
انسان کی فطرت ہے
پھر میں اپنے بھائی سے
گلہ کیوں کروں
دوست سے شکوہ
چہ معنیٰ دارد
محبوب سے آزردگی
کاہے کی
انسان تو مہا بے غیرت ہے
بس وقت کی مہربانی
اِسے اعلیٰ وارفع
بنا دیتی ہے ورنہ
وقت پڑنے پر یہ مہا بے غیرت
اپنی کمال بے غیرتی کے ساتھ
ایسے جلوہ گر ہوتا ہے
جیسے غیرت کا سایہ
اِس کے پاس سے نہیں گزرا

کمزور کی شامت

قدرت

کمزور پر غالب

اور طاقتور کی حامی ہے

قدرت

جسے بُرے اور ظالم سے

کوئی پرخاش نہیں

مگر کمزور پر

ہر طرح کا جبر ڈھاتی ہے

دارا اور جمشید کے دور میں

کروڑوں لوگ جئے تھے

مگر قدرت نے صرف

دارا اور جمشید کو

زندہ رکھا

طاقتور کو دنیا

بھلے سُولی پر لٹکا دے

مگر قدرت

تب بھی اُسے زندہ رکھتی ہے

اور کمزور بھلے

برجیس اور کیوان بن جائے

قدرت

اُسے پٹخ کر

پاتال میں پھینک دیتی ہے

کیونکہ اِس دنیا میں

صرف کمزور کی شامت آتی ہے

خود غرض ہجوم

دنیا کے خود غرض ہجوم میں

انسان تنہا ہے

ہر طرف لوگ ہیں

چہرے ہیں

نام ہیں

مگر دل کا ساتھی کوئی نہیں

یہ دنیا ایک بازار کی مانند ہے

جہاں ہر چیز کی ایک قیمت ہے

حتیٰ کہ رشتوں کی بھی

رشتے دھوپ کی مانند ہیں

جو سردیوں کی صبح میں گرماتے ہیں

مگر جب زندگی کی شام آتی ہے

تو وہ مدھم ہو جاتے ہیں

لوگ آتے ہیں

جاتے ہیں

اور اِس خود غرض ہجوم میں

کوئی کسی کا نہیں بن پاتا

محبت

دوستی

رشتہ داری

سب خوابوں کی مانند ہیں

جو آنکھ کھلتے ہی بکھر جاتے ہیں

حقیقت میں

کوئی کسی کا نہیں ہوتا

یہ دنیا صرف مفاد کا کھیل ہے

جہاں ہر انسان

اپنی ذات کی قید میں مبتلا ہے

اور اِک سراب کا پیچھا کر رہا ہے

سراب یعنی اِک ایسا نخلستان

جو دور سے سبز دکھائی دے

مگر قریب جا کر پتہ چلے

تو وہ محض ریت کا تودہ ہے

اِس دنیا میں

انسان تنہا پیدا ہوتا ہے

تنہا جیتا ہے

اور تنہا مر جاتا ہے

کوئی کسی کا نہیں ہوتا

سب اپنے آپ میں گم ہیں

سب اپنے مفاد کے لئے جیتے ہیں

زندگی کی حقیقت یہ ہے کہ آخر کار

ہم سب کو اکیلے ہی

اپنے سفر کی انتہا تک پہنچنا ہے

اِس سفر میں

کوئی ہمارا ہمسفر نہیں بنتا

سوائے تنہائی کے

ناقص دنیا

خدا نے جب یہ دنیا بنائی

تو شاید کچھ بھول گیا

یا شاید جان بوجھ کر

اِسے اَدھورا چھوڑ دیا

درد کے خوفناک سائے

ظلم کی دیوہیکل دیواریں

بے قصور آنسو

اور ادھورے خواب

اِس دنیا کے گوشے گوشے میں

پھیلے ہوئے ہیں

اب وقت آ گیا ہے

کہ خدا اپنی تخلیق کو دیکھے

اور اپنی خامیوں کا اعتراف کرے

مان لے کہ یہ دنیا

نامکمل اور نا تمام ہے

ایک ادھورا خواب ہے

جو حقیقت میں نہ ڈھل سکا

اب خدا کو چاہئے
کہ یہ دنیا ختم کرے
اِس کے ذروں سے
اِس کے مادے سے
ایک نئی دنیا بنائے
ایک ایسی دنیا
جہاں کوئی درد نہ ہو
جہاں ظلم کا سایہ نہ پڑے
جہاں خواب پورے ہوں
جہاں ہر دل میں
سکون کا چراغ روشن ہو
یہ دنیا
جسے خدا نے شاید
عجلت میں بنا دیا
اب اِسے مٹانا ضروری ہے
تا کہ ایک نئی صبح کا آغاز ہو
ایک ایسی صبح
جو ہمیشہ کیلئے روشن و کامل ہو

قحط الرجال

کہاں ہیں وہ چہرے
جن کے نقش خیالوں میں جَڑے تھے

کہاں ہیں وہ آوازیں
جن کی گونج ذہنوں میں پیوست تھی

قحط الرجال کی اِس تپتی ہوا میں
ہر رخ پر فقط دھول ہے
نہ کوئی چراغ
نہ کوئی روشنی
جسے جلائیں اور دیکھ سکیں
کہ سکھ کتنے دور کھڑے ہیں

کہاں ہیں وہ رہبر
وہ درویش
وہ ہادی
سب جیسے ماضی کے داغ تھے
جنہیں وقت نے دھو دیا

یا پھر وہ خواب
جنہیں آنکھوں نے کھو دیا

کہاں ہیں وہ عظیم نفوس
جن کی باتوں میں جادو تھا
جن کی خاموشی میں بھی راحت تھی
جو اُمید کی خوشبو تھے
جن کی موجودگی میں بھی سکون تھا
اب ہر سُو اُداسی کا راج ہے
قحط الرجال میں کسے تلاش کریں؟
کیا کوئی ہے؟
جو اِس اُداس شام کا مسیحا ہو؟
یا یہ شام خود اِک داستانِ فناء ہو؟
کسے پکاریں؟
کس سے اُمید رکھیں؟
کہاں ہیں وہ لوگ؟
جو دل کی دھڑکن تھے؟
یا شاید سب کچھ فناء ہو چکا
اور ہم فقط
گزرے وقت کی راہوں میں
اِک بے نشان منزل ہیں

پیاری آنکھوں والی !

تیرے نینوں میں چھپی
نغموں کی لَے
کبھی چاندنی راتوں میں
سرگوشیاں کرتی ہے
تو کبھی دھندلے خوابوں کی طرح
بکھر جاتی ہے
تُو جو مسکرائے
تو گلوں میں تازگی آجائے
تُو جو روئے
تو ساون کی راتوں کا گماں ہو
تیری پلکوں کے سائے میں
میں نے کئی خواب دیکھے
جو تیری آنکھوں کے رنگ میں ڈوب کر
میرے دل کے گہرے گوشے میں
اُتر جاتے ہیں
تیرے نینوں کی گہرائیوں میں
کوئی راز ہے

جو میں سمجھ نہیں پایا

کوئی سوال ہے

جو خاموشی میں چھپا ہوا ہے

یا شاید کوئی محبت کا چراغ ہے

جو جلتا تو ہے

مگر اُس کی روشنی

صرف تُو ہی دیکھ پاتی ہے

پیاری آنکھوں والی !

تُو نے کبھی سوچا

کہ تیری آنکھیں کس قدر حسین ہیں

کہ یہ جو محبت کا رنگ ہے

تیرے نینوں سے ہی تو جھلکتا ہے

اور یہ جو کائنات کی وسعتیں ہیں

تیرے نینوں کے حلقے میں ہی تو مقید ہیں

تو پھر کیوں یہ پلکیں جھکاتی ہے

کیوں چھپاتی ہے اِن خزینوں کو

جو میری راتوں کو سجاتے ہیں

جو میرے خوابوں کو حقیقت بناتے ہیں

جو مجھے اپنے ہونے کا احساس دلاتے ہیں

پیاری آنکھوں والی !

یہ نین تیری پہچان ہیں

اور میری سانسوں کا سبب بھی

تُو جب بھی دیکھے

یاد رکھ

کہ تیری آنکھیں

میری دنیا

میرا کُل سرمایہِ حیات ہیں

اَدھورا حُسن

زندگی کے سفر میں

قدم قدم پر

ادھورے خوابوں کے جھرمٹ ہیں

ہر سانس کے ساتھ

ایک نئی کمی

ایک نیا خلاء

ہمارے وجود میں جنم لیتا ہے

مگر یہی نا تمامیت ہی تو

ہمیں آگے بڑھنے پر مجبور کرتی ہے

اگر ہر چیز کامل ہوتی

تو کیا ہم کبھی سیکھ پاتے؟

کبھی گرتے؟

اور گر کر پھر اُٹھنے کی ہمت کر پاتے؟

کائنات کے ہر ذرے میں ایک خامی ہے

ہر پھول میں ایک کانٹا

ہر دل میں ایک درد

یہی درد

یہی کانٹے

ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ ہم انسان ہیں

نہ کہ فرشتے

کامل ہونے کی جستجو میں ہم

اپنی انسانیت کھو بیٹھتے ہیں

اِس لئے ضروری ہے کہ ہم

اپنی کمزوریوں کو گلے لگائیں

اُنہیں اپنا اثاثہ سمجھیں

کیونکہ زندگی نہ ملے گی دوبارہ

اب یہ جو آدھی ادھوری

ایک دم نامکمل

دکھ درد اور مصیبتوں سے بھری

زندگی جیسی بھی ہے

یہی ایک اکلوتی ہے

کاملیت کے پیچھے بھاگنے کی بجائے

کیوں نہ اپنی کمیوں کو قبول کرلیں

اِنہی کے ساتھ جینا سیکھ لیں

یہی ناتمامیت ہی تو ہے

جو ہمیں خوبصورت بناتی ہے

جو ہمیں حقیقی بناتی ہے

تو اے مسافر !

آگے بڑھ

اپنی کمزوریوں کے ساتھ

اپنی کمیوں کے ساتھ

کیونکہ یہی کمیاں ہی تیرا سرمایہ ہیں

تیرا سبب انسانیت ہیں

کامل خدا کی تلاش

تاریک رات کے گھنے جنگل میں
روشنی کی کرن کی تلاش میں
بے بس اور بے چین دل نے
آسمانوں کی طرف نظر اٹھائی
کامل خدا کہاں ہے؟
کہاں ہے وہ روشنی
جو اندھیروں کو مٹا دے؟
ہر شجر، ہر پتا، ہر جھونکا
چپ ہیں، خاموش ہیں
کہیں سے کوئی جواب نہیں آتا
دل کی بے قراری بڑھتی جاتی ہے
کامل خدا کہاں ہے؟
کہاں ہے وہ سکون
جو روح کو راحت دے؟
صدائیں دیتے صدیاں گزر گئیں
لیکن کوئی نشان
سفید اور سیاہ کے درمیان

بند آنکھوں سے خوابوں کی تلاش کرتے

پھر ایک لمحہ آیا

جب دل کی دھڑکن رک گئی

روح نے ہار مان لی

اور ایک نرم سی

مدھم سرگوشی آئی

کامل خدا نہ باہر ہے نہ اندر

وہ تو تیری ایک نا تمام آرزو ہے

روشنی، سکون اور راحت

جو تیرے اپنے وجود میں پنہاں

بس اُسی کو پانے کے لئے

تجھے اپنے آپ کو پہچاننا ہو گا

کامل خدا کی تلاش

تیرے اپنے اندر کی مسافت ہے

یہاں کوئی آخر نہیں

کوئی آغاز نہیں

بس تجھے چلنا ہے

اور اپنے دل کی گہرائیوں میں

کامل خدا کو پانا ہے

احساس کے رشتے

رشتے خون کے قطروں سے نہیں
دل کی دھڑکنوں سے بنتے ہیں
یہ وہ نازک ڈوریں ہیں
جنہیں احساس وجود بخشتا ہے
جب دل میں احساس کی کرنیں
اُبھرتی ہیں تو رشتے پروان چڑھتے ہیں
جیسے بارش کے بعد
مٹی کی خوشبو زمین سے اُبھرتی ہے
رشتے وہ پرندے ہیں
جو اُمید کے آسمان پر پرواز کرتے ہیں
اِن کا آشیانہ وہی جگہ ہے
جہاں اعتماد کے درخت کھڑے ہیں
یہ وہ لمس ہیں
جو بنا چھوئے بھی دل کی گہرائیوں تک
محسوس کئے جا سکتے ہیں
یہ وہ سرگوشیاں ہیں
جو شور و غل میں بھی

کانوں تک پہنچ جاتی ہیں

خون کا رشتہ

تو جسم سے جڑا ہوتا ہے

مگر اصل رشتہ وہ ہے

جو دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو

یہ وہ تعلق ہے

جو وقت کے ساتھ پروان چڑھتا ہے

یہ وہ روشنی ہے

جو اندھیروں میں بھی راہ دکھاتی ہے

خون کا رنگ تو سرخ ہوتا ہے

اور کبھی کبھی سفید بھی ہو جاتا ہے

مگر احساس کا کوئی رنگ نہیں ہوتا

پھر بھی یہ رنگ نظر آتا ہے

کبھی محبت کی رنگینیوں میں

تو کبھی دوستی کے ٹھنڈے سایوں میں

رشتے خون سے نہیں

احساس سے بنتے ہیں

خون سے جو بنتے ہیں

وہ رشتے نہیں

صرف بوجھ ہوتے ہیں

بھاری بھرکم بوجھ

ہاں مگر احساس زندہ ہوتو

رشتے کبھی نہیں مرتے

یہ وہ جواہرات ہیں

جو وجود کے مٹی ہوجانے کے بعد بھی

ہمیشہ چمکتے رہتے ہیں

وقت اور انسان

ایک وقت ہوتا ہے جب
انسان سوچتا ہے کہ
بہت ہی اچھا وقت گزرے
پھر ایک دوسرا وقت آتا ہے
جب انسان سوچتا ہے کہ
چلیں بہت اچھا نہ سہی لیکن
تھوڑا اچھا وقت گزر جائے
اور پھر ایک تیسرا وقت آتا ہے
جب انسان سوچتا ہے کہ
اچھا بُرا بھاڑ میں جائے
بس وقت گزر جائے

آخری لمحہ

یہ ایک لمحہ ہے
جس کے بعد
سب کچھ ختم ہو جائے گا
زندگی کی تمام حقیقتیں
سب خواب، سب اُمیدیں
سب کچھ مٹی میں مل جائے گا
اور پھر کوئی بھی
یاد نہ رکھے گا کہ تم کون تھے
کیسے جئے
کیسے ہنسے، کیسے روئے
یہ ایک لمحہ ہے
جس میں ہر دھڑکن خاموش ہو جائے گی
ہر سانس رک جائے گی
اور ہر آنکھ
ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گی
یہ وہ لمحہ ہے
جہاں سب کچھ بے معنیٰ ہو جاتا ہے

دولت، شہرت، محبت، نفرت

سب دھوکہ ہے

یہ لمحہ زندگی کا آخری منظر ہے

ایک ایسی روشنی ہے

جو ایک دم بجھ جاتی ہے

ایسی چمک ہے

جو ایک پل میں غائب ہو جاتی ہے

ایک ایسا دھاگہ ہے

جو اچانک ٹوٹ جاتا ہے

اور پھر بس خالی پن رہ جاتا ہے

موت کے ساتھ ہی

زندگی کے سب راز فناء ہو جاتے ہیں

زندگی کا ہر سوال

لاجواب رہ جاتا ہے

یہ وہ حقیقت ہے

جسے کوئی سمجھ نہ سکا

زندگی کی یہ آخری ہچکی

یہ آخری لمحہ

یہ آخری سکون

ایک ایسا سفر ہے
جس سے کوئی واپس نہیں لوٹا
کیوں کہ موت کے بعد
زندگی کے تمام فلسفے
تمام علم
سب کچھ لایعنی ہو جاتا ہے
بس ایک خاموشی
ایک گہری تاریک
نہ ختم ہونے والی خاموشی
اور وہ لمحہ
جہاں زندگی اور موت ملتے ہیں
وہ لمحہ
جہاں ہر سفر تمام ہو جاتا ہے
وہ لمحہ
جہاں انسان کی عقل حیران
اور ذہن خاموش ہو جاتا ہے
یہ موت ہے
یعنی زندگی کا آخری لمحہ

☆☆☆☆☆
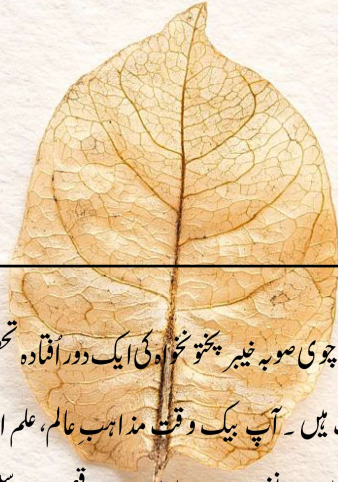
سید المجاذیب خواجہ نعمان نیئرؔ کلاچوی صوبہ خیبر پختونخواہ کی ایک دور اُفتادہ تحصیل کلاچی کے باسی ہیں۔ آپ ایک جامع العلوم شخصیت ہیں ۔ آپ بیک وقت مذاہبِ عالم، علم الکلام و فلسفہ، شعر و اَدب، صحافت و بلاغت، معاشرت و سیاست، نفسیات و روحانیات اور رقص و موسیقی پر گہری گرفت رکھتے ہیں۔ آپ ایک طویل عرصے سے مسلسل گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے ہیں اور دریں اثناء علمی و تحقیقی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ماڈرن فلاسفی اور علمِ نفسیات پر آپ کا علمی کام اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں انٹرنیٹ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے ۔ آپ چھ کتابوں "عشق کی سائنس"، "تصوف کی ڈکشنری"، "صراطِ دانش"، "سوزِ نہاں"، "قبیلہ نور احمد خیل"اور " Trek to Intellect "کے مصنف ہیں ۔ علاوہ ازیں دیگر کئی مقالات و علمی شذرات کے بھی مؤلف و مصنف ہیں۔ زیرِ نظر تصنیف بھی آپ ہی کی علمی و تخلیقی جہد کا ماحصل ہے۔